بسم اللہ الرحمن الرحیم

رسالت کی ضرورت واہمیت

جمع وترتیب

محمد عبید اللہ خان قاسمی

بزم خطباء

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

اَلۡحَمۡدُ لِلّٰہِ نَحۡمَدُہٗ وَنَسۡتَعِیۡنُہٗ وَنَسۡتَغۡفِرُہٗ وَنُؤۡمِنُ بِہٖ وَنَتَوَکَّلُ عَلَیۡہِ وَنَعُوۡذُ بَاللّٰہِ مِنۡ شُرُوۡرِ اَنۡفُسِنَا وَمِنۡ سَیِّئَاتِ اَعۡمَالِنَا، مَنۡ یَّھۡدِہِ اللّٰہُ فَلَا مُضِلَّ لَہٗ وَمَنۡ یُّضۡلِلۡہُ فَلَا ھَادِیَ لَہٗ وَنَشۡھَدُ اَنۡ لَّا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحۡدَہٗ لَاشَرِیۡكَ لَہٗ وَنَشۡھَدُ اَنَّ سَیِّدَنَا وَ نَبِیَّنَا وَمَوۡلَانَا مُحَمَّدًا عَبۡدُہٗ وَرَسُوۡلُہٗ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیۡہِ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصۡحَابِہٖ وَبَارَكَ وَسَلَّمَ تَسۡلِیۡمًا كَثِیۡرًا، اَمَّابَعۡدُ:

قال اللہ تعالی فی القرآن المجید والفرقان الحمید:

أعوذباللہ من الشیطان الرجیم، بسم اللہ الرحمن الرحیم:

وَمَا نُرۡسِلُ الۡمُرۡسَلِیۡنَ اِلَّا مُبَشِّرِیۡنَ وَمُنۡذِرِیۡنَ۔ (الانعام:۴۸)

ہم جورسول بھیجتے ہیں، اسی لیےتو بھیجتے ہیں کہ وہ (نیک کرداروں لوگوں کے لیے) خوش خبری دینے والے اور (بدکرداروں کے لیے) ڈرانے والے ہوں۔

وَلَقَدۡ أَرۡسَلۡنَا مِنۡ قَبۡلِكَ رُسُلاً اِلٰی قَوۡمِھِمۡ فَجَآؤُوھُم بِالۡبَیِّنَاتِ۔ (الروم:۴۷)

اورہم نے تم سے پہلے رسولوں کوان کی قوم کی طرف بھیجا اوروہ ان کے پاس روشن نشانیاں لے کرآئے۔

رَبَّنَا وَابۡعَثۡ فِیۡھِمۡ رَسُوۡلاً مِنۡھُمۡ یَتۡلُوۡا عَلَیۡھِمۡ اٰیٰتِكَ وَیُعَلِّمُھُمُ الۡكِتٰبَ وَالۡحِكۡمَةَ وَیُزَكِّیۡھِمۡ اِنَّكَ اَنۡتَ الۡعَزِیۡزُ الۡحَكِیۡمُ۔ (البقرۃ:۱۲۹) ’’ہمارے پروردگار! ان میں ایک ایسا رسول بھی بھیجنا جو انھی میں سے ہو، جو ان کے سامنے تیری آیتوں کی تلاوت کرے، انھیں کتاب اور حکمت کی تعلیم دے، اوران کو پاکیزہ بنائے، بیشک تیری اورصرف تیری ذات وہ ہے جس کا اقتدار بھی کامل ہے، جس کی حکمت بھی کامل۔

لَقَدۡ مَنَّ اللّٰہُ عَلَی الۡمُؤۡمِنِیۡنَ اِذۡ بَعَثَ فِیۡھِمۡ رَسُوۡلاً مِنۡھُمۡ یَتۡلُوۡا عَلَیۡھِمۡ اٰیٰتِہٖ وَیُزَكِّیۡھِمۡ وَیُعَلِّمُھُمُ الۡكِتٰبَ وَالۡحِكۡمَةَ وَاِنۡ كَانُوۡا مِنۡ قَبۡلُ لَفِیۡ ضَلٰلٍ مُبِیۡنٍ۔ (اٰل عمران:۱۶۴) ’’حقیقت یہ ہے کہ اللہ نے مؤمنوں پر بڑا احسان کیا کہ ان کے درمیان میں سے ایک رسول بھیجا جو ان کے سامنے اللہ تعالی کی آیتوں کی تلاوت کرے، انہیں پاک وصاف بنائے اور انہیں کتاب اور حکمت کی تعلیم دے، جبکہ یہ لوگ اس سے پہلے یقینا کھلی ہوئی گمراہی میں مبتلا تھے۔

ھُوَ الَّذِیۡ بَعَثَ فِی الۡاُمِّیّٖنَ رَسُوۡلاً مِنۡھُمۡ یَتۡلُوۡا عَلَیۡھِمۡ اٰیٰتِہٖ وَیُزَكِّیۡھِمۡ وَیُعَلِّمُھُمُ الۡكِتٰبَ وَالۡحِكۡمَةَ وَاِنۡ كَانُوۡا مِنۡ قَبۡلُ لَفِیۡ ضَلٰلٍ مبین۔ (الجمعة:۲) ’’وہی ہے جس نے امی لوگوں میں انھی میں سے ایک رسول کو بھیجا جو ان کے سامنے اس کی آیتوں کی تلاوت کریں، اوران کو پاکیزہ بنائیں، اور انھیں کتاب وحکمت کی تعلیم دیں، جبکہ وہ اس سے پہلے کھلی ہوئی گمراہی میں پڑے ہوئے تھے۔

تمہید

عقیدہ توحید کے بعد اسلام کا دوسرا بنیادی عقیدہ، عقیدہ رسالت ہے، یعنی اللہ تعالیٰ نے ہر زمانے میں اپنی طرف سے رسول اور نبی بھیجے جو انسانیت کی ہدایت کے لیے اللہ کی طرف سے پیغام لے کر آتے رہے، یہ سلسلہ آدم علیہ السلام سے شروع ہوا اور ہمارے نبی محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ختم ہوا، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے رسالت کا حق ادا کر دیا، اور امت کو بہترین انداز میں نصیحت کی۔

تمام انبیاء ورسل اس لیے دنیا میں تشریف لائے کہ اللہ تعالیٰ کے دین کی بالا دستی قائم ہو اور لوگوں پر حجت نہ رہے کہ انہیں کچھ پتہ نہیں تھا کہ اللہ تبارک وتعالیٰ کی عبادت، اطاعت اور فرماں برداری کیسے کرنی ہے۔

جو لوگ منصب رسالت پر سرفراز کیے گئے، اللہ تعالی کی طرف سے ان کو غیر معمولی علم، تدبر، قوت فیصلہ اور نور بصیرت عطا کیا گیا، اسی لیے ایک رسول اور فلسفی میں بنیادی فرق ہی یہ ہے کہ فلسفی جو کچھ کہتا ہے وہ عقل وظن کی بنیاد پر کہتا ہے جبکہ انبیاء ورسل جو کچھ کہتے ہیں وہ وحی کی بنیاد پر کہتے رہے۔ انہوں نے جو دعوت پیش کی علم اور دلیل کے ساتھ پیش کی، سب رسول بشر تھے، مگر اللہ تعالی کی مخلوق میں علی الاطلاق افضل واکمل تھے۔ جب تک تمام انبیاء ورسل پر ایمان نہ رکھا جائے کوئی بھی شخص صاحب ایمان نہیں ہو سکتا، رسول کی اطاعت ایک مستند ذریعہ ہے جس سے ہم کو اللہ کے احکام وفرامین پہنچتے ہیں، کوئی اطاعت اللہ اور رسول کی سند کے بغیر معتبر نہیں ہے، رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پیروی سے منہ موڑنا، اللہ کی اطاعت سے بغاوت ہے، اللہ تعالی کے رسول دنیا کی تمام قوموں میں آئے اور ان سب نے اسلام کی تعلیم دی اور ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وہی تعلیم دینے کے لیے سب سے آخر میں تشریف لائے، اس لحاظ سے اللہ کے تمام رسول ایک گروہ کے لوگ تھے۔ جیسا کہ اللہ تعالی کا ارشاد ہے: **وَلَقَدۡ بَعَثۡنَا فِیۡ کُلِّ اُمَّۃٍ رَّسُوۡلاً ۔** (النحل:٣٦) ہم نے ہر قوم میں رسول بھیجا۔ (تصور رسالت)

انسانوں کی ضروریات

اللہ تعالی نے انسانوں کو زمین میں آباد کرتے وقت ان کی ضرورت کی تمام چیزیں فراہم کر دیں اور کائنات کی تمام قوتوں کو ان کی خدمت میں لگا دیا، ان کے اعضا و جوارح ان کی بنیادی ضروریات کی تکمیل میں لگے ہوئے ہیں اور نباتات وحیوانات ان کی غذائی اور دوسری ضرورتوں کی تکمیل میں، چاند، سورج، ستارے، پہاڑ، دریا اور دسرے مظاہر نظام کائنات میں توازن قائم کیے ہوئے ہیں۔ ہوا، پانی، روشنی وغیرہ سے ان کی زندگی کا تسلسل قائم ہے۔ ان مادی ضروریات کے ساتھ اللہ تعالیٰ ان کی روحانی ضرورت کی تکمیل سے غافل نہیں رہا ہے۔ اس نے ابتدا ہی سے اس کا بھی انتظام کر رکھا ہے کہ انسانوں کو معلوم ہو کہ انھیں کیوں پیدا کیا گیا ہے؟ انھیں پیدا کرنے والا کون ہے اور وہ ان سے کیا چاہتا ہے؟ دنیا میں انھیں کس طرح زندگی بسر کرنی ہے؟ کیا کرنا ہے اور کیا نہیں کرنا ہے؟

قُلۡنَا اهۡبِطُوۡا مِنۡهَا جَمِيۡعاً فَاِمَّا يَاۡتِيَنَّكُمۡ مِّنِّىۡ هُدًى فَمَنۡ تَبِعَ هُدَاىَ فَلَا خَوۡفٌ عَلَيۡهِمۡ وَلَا هُمۡ يَحۡزَنُوۡنَ ۝ وَالَّذِيۡنَ كَفَرُوۡا وَ كَذَّبُوۡا بِاٰيٰتِنَاۤ اُولٰٓـئِكَ اَصۡحٰبُ النَّارِ هُمۡ فِيۡهَا خٰلِدُوۡنَ۔ (البقرہ:٣٩-٣٨) اور ہم نے

کہا کہ تم سب یہاں سے اتر جاؤ۔ پھر جو میری طرف سے کوئی ہدایت تمھارے پاس پہنچے تو جو لوگ میری اس ہدایت کی پیروی کریں گے، ان کے لیے کسی خوف اور رنج کا موقع نہ ہوگا اور جو اس کو قبول کرنے سے انکار کریں گے اور ہماری آیات کو جھٹلائیں گے وہ آگ میں جانے والے ہیں، جہاں وہ ہمیشہ رہیں گے۔

انسانوں کی ہدایت کے لیے انبیاء کی بعثت

ابتداء میں تمام انسان راہِ راست پر قائم تھے، اللہ تعالیٰ نے انھیں زندگی گزارنے کا جو طریقہ بتایا تھا اس پر وہ عمل پیرا تھے، لیکن آہستہ آہستہ ان میں انحراف آنے لگا، نفسانی خواہشیں سر اٹھانے لگیں اور وہ سیدھے راستے سے اِدھر اُدھر بھٹکنے لگے۔ اس وقت ان کے درمیان اتحاد و اتفاق باقی نہ رہ سکا۔ کچھ لوگ سیدھی رام پر قائم رہے اور کچھ لوگ غلط راہوں پر جا پڑے۔ اس حقیقت کو قرآن مجید نے یوں بیان کیا ہے: **وَمَا كَانَ النَّاسُ إِلَّآ أُمَّةً وَاحِدَةً فَاخْتَلَفُواْ** (یونس: ۱۹) ابتداء سارے انسان ایک ہی امت تھے، پھر انھوں نے اختلاف کیا۔

اس آیت میں لوگوں کے ایک امت ہونے کی بات کہی گئی ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ ابتداء میں راہِ حق پر قائم اور ہدایت یافتہ تھے، بعد میں ان میں اختلاف برپا ہوا، اختلاف کا مطلب یہ ہے کہ بعد کے زمانوں میں تمام لوگ راہِ حق پر قائم نہ رہ سکے، بعض لوگوں میں طرح طرح کی بُرائیاں پیدا ہوگئیں۔ انھوں نے مختلف مظاہر کائنات کو خدائی میں شریک کرلیا، سورج، چاند، ستاروں، درختوں، جانوروں اور دریاؤں وغیرہ کی پرستش شروع کردی۔ مٹی پتھر کے بت بنا کر انھیں پوجنے لگے۔ انسانی آبادی دنیا کے مختلف حصوں میں پھیلی اور مختلف قومیں وجود میں آگئیں۔ ان قوموں کے مذاہب جدا جدا ہوگئے۔ لوگوں نے اللہ تعالیٰ کے احکام و قوانین کو فراموش کر کے اپنی خواہشوں کی پیروی شروع کردی۔ جاہلی رسمیں ایجاد کرلی گئیں اور انھی حقیقی دین سمجھا جانے لگا۔

إِنَّ هَٰذِهِۦٓ أُمَّتُكُمْ أُمَّةً وَاحِدَةً وَأَنَا رَبُّكُمْ فَاعْبُدُونِ، وَتَقَطَّعُوآ أَمْرَهُم بَيْنَهُمْ كُلٌّ إِلَيْنَا رَاجِعُونَ۔ (الانبیاء: ۹۲-۹۳) یہ تمھاری امت حقیقت میں ایک ہی امت ہے اور میں تمھارا رب ہوں، مگر (یہ لوگوں کی کارستانی ہے کہ) انھوں نے آپس میں دین کو ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالا، سب کو ہماری طرف پلٹنا ہے۔

اس موقع پر اللہ تعالیٰ نے اپنے پیغمبر بھیجے اور ان کے ساتھ اپنی روشن تعلیمات بھی بھیجیں، تاکہ لوگوں کے درمیان حق اور باطل، صحیح اور غلط کھل کر سامنے آجائے۔ ان پیغمبروں نے ان کے سامنے اللہ کا پیغام پیش کیا، ایک خدا کی پرستش کی دعوت دی، شرک و بت پرستی سے روکا اور صاف الفاظ میں انھیں آگاہ کیا کہ کن کاموں سے اللہ تعالیٰ خوش ہوتا ہے اور کن کاموں سے ناراض۔ اس طرح پیغمبروں اور ان کی لائی ہوئی تعلیمات کے ذریعے لوگوں کے اختلاف کا فیصلہ ہوگیا اور حق و باطل میں امتیاز قائم ہوگیا۔ قرآن کہتا ہے: **كَانَ النَّاسُ أُمَّةً وَاحِدَةً فَبَعَثَ اللهُ النَّبِيِّينَ مُبَشِّرِينَ وَمُنذِرِينَ وَأَنزَلَ مَعَهُمُ الْكِتَابَ بِالْحَقِّ لِيَحْكُمَ بَيْنَ النَّاسِ فِيمَا اخْتَلَفُواْ فِيهِ** (البقرہ: ۲۱۳) (ابتدا میں) سب لوگ ایک ہی طریقے پر تھے (پھر یہ حالت باقی نہ رہی اور اختلافات رونما ہوئے) تب اللہ نے نبی بھیجے جو بشارت دینے والے اور ڈرانے والے تھے اور ان کے ساتھ کتاب برحق نازل کی، تاکہ حق کے

بارے میں لوگوں کے درمیان جو اختلافات رونما ہو گئے تھے، ان کا فیصلہ کرے۔

اس آیت میں انبیا کے لیے مبشرین (بشارت دینے والے) اور منذرین (ڈرانے والے) کے الفاظ آئے ہیں۔ مبشرین کا مطلب یہ ہے کہ وہ اللہ کی اطاعت کرنے والوں اور اس کے حکموں پر چلنے والوں کو بے پایاں اجر وانعام اور اچھے ٹھکانے کی خوش خبری دیتے ہیں اور منذرین کا مطلب یہ ہے کہ اللہ کی نافرمانی اور کفر کی روش اختیار کرنے والوں کو وہ سخت سزا، زبردست باز پرس اور ہمیشہ کے لئے جہنم میں ڈال دیے جانے سے ڈراتے ہیں۔

یہ اوصاف، جو انبیائے کرام کے فریضۂ منصبی اور مقصدِ بعثت کی وضاحت کرتے ہیں، قرآن کریم میں متعدد مقامات پر بیان کیے گئے ہیں: **وَمَا نُرْسِلُ الْمُرْسَلِيْنَ اِلَّا مُبَشِّرِيْنَ وَمُنْذِرِيْنَ۔ (الانعام:۴۸)** ہم جو رسول بھیجتے ہیں، اسی لیے تو بھیجتے ہیں کہ وہ (نیک کردار لوگوں کے لیے خوش خبری دینے والے اور (بدکرداروں کے لیے) ڈرانے والے ہوں۔

آخری پیغمبر حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو مخاطب کر کے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: **وَلَقَدْ أَرْسَلْنَا مِن قَبْلِكَ رُسُلاً اِلَى قَوْمِهِمْ فَجَآؤُوهُم بِالْبَيِّنَاتِ۔ (الروم:۴۷)** اور ہم نے تم سے پہلے رسولوں کو ان کی قوم کی طرف بھیجا اور وہ ان کے پاس روشن نشانیاں لے کر آئے۔

اس آیت میں بیان کیا گیا ہے کہ انبیائے کرام اپنی قوموں کے پاس بیّنات لے کر گئے۔ بیّنۃ واضح دلیل کو کہتے ہیں خواہ وہ عقلی ہو یا حِسّی، اس کا اطلاق انبیا کو دیے جانے والے معجزات پر بھی کیا گیا ہے اور ان کے ذریعے انسانوں کو بھیجی جانے والی ہدایات اور تعلیمات پر بھی۔

تمام قوموں میں انبیاء بھیجے گئے

انسانی آبادی دنیا میں جہاں جہاں پھیلی اور جوں جوں اس میں گمراہی عام ہوئی اللہ تعالیٰ نے اس کی ہدایت کا سامان کیا۔ چنانچہ اس نے اپنے برگزیدہ بندوں کو صحیح تعلیمات اور واضح ہدایات کے ساتھ بھیجا۔ یہ انبیا تمام قوموں میں مبعوث کیے گئے۔ البتہ قرآن میں صرف ان چند بڑی بڑی قوموں کے احوال ہیں جن سے اہل عرب واقف تھے۔ ان کے پاس بھیجے جانے والے پیغمبروں اور ان کی دعوت کا بھی تذکرہ ہے، لیکن ساتھ ہی یہ بھی صراحت کردی گئی ہے کہ یہ ہادی و رہ نما اور بشارت دینے والے اور ڈرانے والے ہر قوم میں بھیجے گئے۔ آخری پیغمبر حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو مخاطب کر کے قرآن کہتا ہے: **اِنَّمَآ أَنتَ مُنذِرٌ وَلِكُلِّ قَوْمٍ هَاد (الرعد:۷)** تم تو محض خبردار کردینے والے ہو اور ہر قوم کے لیے ایک رہ نما ہے۔

اِنَّآ أَرْسَلْنَاكَ بِالْحَقِّ بَشِيْراً وَنَذِيْراً وَاِن مِّنْ أُمَّةٍ اِلَّا خلَا فِيْهَا نَذِيْرٌ۔ (فاطر:۲۴) ہم نے تم کو حق کے ساتھ بھیجا ہے بشارت دینے والا اور ڈرانے والا بنا کر، اور کوئی امت ایسی نہیں گزری ہے جس میں کوئی متنبہ کرنے والا نہ آیا ہو۔”

وَلَقَدْ أَرْسَلْنَا مِن قَبْلِكَ فِيْ شِيَعِ الأَوَّلِيْنَ۔ (الحجر:۱۰) اے نبی! ہم تم سے پہلے بہت سی گزری ہوئی قوموں میں رسول بھیج چکے ہیں۔

انبیاء ایک ہی دین کے علم بردار تھے

ساتھ ہی قرآن ایک دوسری حقیقت کو بھی واشگاف کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مختلف علاقوں اور خطوں میں اور مختلف قوموں میں جتنے بھی انبیا بھیجے سب ایک ہی دین کے علمبردار تھے اور سب کی بنیادی دعوت ایک ہی تھی۔ ہر نبی کو اسی چیز کی وحی کی گئی تھی کہ اس کائنات کو وجود بخشنے والا اور انسانوں کو پیدا کرنے والا صرف اللہ ہی ہے اس لیے وہی اس بات کا مستحق ہے کہ صرف اسی کی عبادت کی جائے اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرایا جائے۔ ہر نبی نے اپنی قوم سے اسی کا مطالبہ کیا۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: **وَمَآ أَرْسَلْنَا مِن قَبْلِكَ مِن رَّسُولٍ إِلَّا نُوحِىٓ إِلَيْهِ أَنَّهُۥ لَآ إِلَٰهَ إِلَّآ أَنَا۠ فاعبدون۔ (الانبیاء:۲۵)** ہم نے تم سے پہلے جو رسول بھی بھیجا ہے اس کو یہی وحی کی ہے کہ میرے سوا کوئی خدا نہیں ہے، پس تم لوگ میری ہی بندگی کرو۔

وَلَقَدْ بَعَثْنَا فِى كُلِّ أُمَّةٍ رَّسُولًا أَنِ ٱعْبُدُوا۟ ٱللَّهَ وَٱجْتَنِبُوا۟ ٱلطَّٰغُوت۔ (النحل:۳۶) ہم نے ہر امت میں ایک رسول بھیج دیا اور اس کے ذریعے سے سب کو خبر دار کر دیا کہ ”اللہ کی بندگی کرو اور طاغوت کی بندگی سے بچو۔

اس آیت میں انبیاء کی بنیادی دعوت، یہ قرار دی گئی ہے کہ ”اللہ کی بندگی کرو اور طاغوت کی بندگی سے بچو۔

ابن کثیر فرماتے ہیں: اللہ نے ہر زمانے میں اور لوگوں کے ہر گروہ کے پاس ایک رسول بھیجا۔ یہ سب اللہ کی عبادت کی دعوت دیتے تھے اور اس کے علاوہ دوسروں کی عبادت سے روکتے تھے۔ سب سے پہلے بنو آدم میں قوم نوح میں شرک پھیلا، اس وقت اللہ تعالیٰ نے حضرت نوح علیہ السلام کو ان کے پاس بھیجا۔ وہ پہلے رسول تھے، جنھیں اللہ نے اہل زمین کے پاس بھیجا تھا۔ اس کے بعد وہ برابر لوگوں کی طرف رسول بھیجتا رہا۔ یہاں تک کہ اس نے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر رسالت کا خاتمہ کر دیا۔ آپ ﷺ کی دعوت روئے زمین کے تمام انسانوں اور جنات کے لیے عام تھی۔ (تفسیر ابن کثیر)

قرآن میں مختلف قوموں کے احوال اور ان کی طرف بھیجے جانے والے پیغمبروں کا تذکرہ تفصیل سے کیا گیا ہے۔ اس ضمن میں ان کی دعوت بھی زیر بحث آئی ہے۔ ہر پیغمبر نے اپنی قوم سے ایک ہی چیز کا مطالبہ کیا: ”صرف اللہ کی عبادت کرو اور اس کے احکام سے سرتابی نہ کرو۔“ سورۂ الاعراف اور سورۂ ہود میں قوم نوح، عاد، ثمود اور مدین وغیرہ کا تذکرہ ہے۔ ہر قوم سے اس کے پیغمبر نے یہی کہا: **يَٰقَوْمِ ٱعْبُدُوا۟ ٱللَّهَ مَا لَكُم مِّنْ إِلَٰهٍ غَيْرُهُۥ** (الاعراف:۵۹، ۵۶، ۷۳، ۸۵، ہود:۵۰، ۶۱، ۸۴)

اے برادرانِ قوم! اللہ کی بندگی کرو، اس کے سوا تمھارا کوئی خدا نہیں ہے۔

ان قوموں کا تذکرہ سورۂ الشعراء میں بھی ہے۔ وہاں ہر نبی کی دعوت ان الفاظ میں مذکور ہے: **أَلَا تَتَّقُونَ ۝ إِنِّى لَكُمْ رَسُولٌ أَمِينٌ ۝ فَٱتَّقُوا۟ ٱللَّهَ وَأَطِيعُونِ۔ (الشعراء)**

کیا تم ڈرتے نہیں ہو؟ میں تمھارے لیے ایک امانت دار رسول ہوں لہٰذا تم اللہ سے ڈرو اور میری اطاعت کرو۔

انبیاء کی مشترک دعوت

تمام انبیا کی دعوت میں اشتراک پایا جاتا ہے اور وہ ایک ہی مشن کے حامل تھے، اس کا اظہار سورۃ الشوریٰ کی اس آیت سے بھی ہوتا ہے: شَرَعَ لَكُم مِّنَ الدِّينِ مَا وَصَّىٰ بِهِ نُوحاً وَالَّذِيٓ أَوْحَيْنَآ إِلَيْكَ وَمَا وَصَّيْنَا بِهِۦٓ إِبْرَٰهِيمَ وَمُوسَىٰ وَعِيسَىٰٓ أَنْ أَقِيمُوا الدِّينَ وَلَا تَتَفَرَّقُوا فِيهِ (الشوریٰ:۱۳) اس نے تمھارے لیے دین کا وہی طریقہ مقرر کیا ہے جس کا حکم اس نے نوحؑ کو دیا تھا اور جسے (اے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اب تمھاری طرف ہم نے وحی کے ذریعے سے بھیجا ہے اور جس کی ہدایت ہم ابراہیمؑ اور موسیٰؑ اور عیسیٰؑ کو دے چکے ہیں۔ اس تاکید کے ساتھ کہ قایم کرو اس دین کو اور اس میں متفرق نہ ہو جاؤ۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ اپنے آخری رسول حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ پر ایمان لانے والوں کو مخاطب کر کے فرماتا ہے کہ ہم نے جو دین تمھاری طرف وحی کیا ہے اسی کے ساتھ دوسرے پیغمبروں کو بھی بھیجا تھا۔ حضرت نوح علیہ السلام سب سے پہلے صاحبِ شریعت رسول ہیں اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم سب سے آخری۔ درمیان میں حضرت ابراہیمؑ (حضرت موسیٰؑ اور حضرت عیسیٰؑ کے نام لیے گئے جو اولوالعزم رسولوں میں سے تھے۔ ان رسولوں کا یکجا تذکرہ سورۂ الاحزاب (آیت:۷) میں بھی ہوا ہے۔ یہ تمام رسول جو دین لے کر آئے تھے اس کا خلاصہ یہ ہے کہ صرف اللہ کی عبادت کی جائے اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرایا جائے۔

(انبیاے کرامؑ کا مقصدِ بعثت، ڈاکٹر محمد رضی الاسلام ندوی)

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بعثت

رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جس وقت دنیا میں مبعوث ہوئے اور نبوت سے سرفراز کئے گئے وہ دور دنیا کا نہایت عجیب اور تاریک ترین دور تھا، ظلم وستم، ناانصافی وحقوق تلفی، جبر وتشدد، خدافراموشی وتوحید بیزاری عام تھی، اخلاق وشرافت کا بحران تھا، اور انسان ایک دوسرے کے دشمن بن کر زندگی گزار رہے تھے، ہمدردی اور محبت کے جذبات، اخوت ومودت کے احساسات ختم ہو چکے تھے، معمولی باتوں پر لڑائی جھگڑا اور سالہا سال تک جنگ وجدال کا سلسلہ چلتا تھا، ایسے دور میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تشریف لائے، اور پھر قرآنی تعلیمات ونبوی ہدایات کے ذریعہ دنیا کو بدلا، عرب وعجم میں انقلاب برپا کیا، عدل وانصاف کو پروان چڑھایا، حقوق کی ادائیگی کے جذبوں کو ابھارا، احترامِ انسانیت کی تعلیم دی، قتل وغارت گری سے انسانوں کو روکا، عورتوں کو مقام ومرتبہ عطا کیا، غلاموں کو عزت سے نوازا، یتیموں پر دستِ شفقت رکھا، ایثار وقربانی، خلوص ووفاداری کے مزاج کو پیدا کیا، احساناتِ خداوندی سے آگاہ کیا، مقصدِ حیات سے باخبر کیا، رب سے ٹوٹے ہوئے رشتوں کو جوڑا، جبینِ عبدیت کو خدا کے سامنے ٹیکنے کا سبق پڑھایا اور توحید کی تعلیمات سے دنیا کو ایک نئی صبح عطا کی، تاریکیوں کے دور کا خاتمہ فرمایا، اسلام کی ضیا پاش کرنوں سے کائناتِ ارضی کو روشن ومنور کر دیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرد کی اصلاح کی، معاشرہ کو سدھارا، اور انسانوں کی ایسی تربیت فرمائی کر چمکا یا کہ بجا طور پر کہا جا گیا کہ:

جو نہ تھے خود راہ پر اوروں کے ہادی بن گئے
کیا نظر تھی جس نے مردوں کو مسیحا کر دیا

اور بقول الطاف حسین حالؔی

اتر کر حرا سے سوئے قوم آیا
اور اک نسخۂ کیمیا ساتھ لایا

مسِ خام کو جس نے کندن بنایا
کھرا اور کھوٹا الگ کر دکھایا

عرب جس پہ قرنوں سے تھا جہل طاری
پلٹ دی بس اک آن میں اس کی کایا

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یقینا انسانیت پر سب سے بڑا احسان یہ بھی ہے کہ آپ نے بھولی بھٹکی انسانیت کو پھر سے خدا کے در پر پہنچایا اور احساسِ بندگی کو تازہ فرمایا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ حیرت انگیز کارنامہ صرف 23 سالہ مختصر مدت میں انجام دیا۔ 23 سالہ دور میں آپ نے ساری انسانیت کی فلاح وصلاح اور کامیابی کا ایک ایسا نقشہ دنیا کے سامنے پیش کیا کہ اس کی روشنی میں ہر دور میں انقلاب برپا کیا جاسکتا ہے اور اصلاح وتربیت کا کام انجام دیا جاسکتا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اللہ تعالی جن عظیم مقاصد دے کر دنیا میں بھیجا، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان مقاصد کو بروئے کار لاکر اپنی حیاتِ مبارکہ میں جدوجہد فرمائی وہ ہمارے لیے ایک رہنمایانہ اصول ہیں۔ قرآن کریم میں بنیادی طور پر چار مقاصدِ بعثت کو بیان کیا گیا ہے۔ آیئے ایک مختصر روشنی ان مقاصدِ مقاصد پر ڈالتے ہیں:

قرآن میں مقاصد بعثت کا تذکرہ

قرآن کریم میں اللہ تعالی نے تین مقامات پر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مقاصدِ بعثت کو بیان فرمایا ہے، پہلا مقام وہ ہے جہاں حضرت ابراہیمؑ کی زبان سے اس کا ذکر ہوا، ابراہیمؑ کی یہ آروز وتمنا تھی کہ نبی آخر الزمان سید الرسل حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم آپ ہی کے خاندان اور نسل سے ہوں، چناں چہ اس کے لیے آپ نے جب بیت اللہ کی تعمیر فرمائی، یہ وقت چوں کہ بڑی اہمیت کا حامل تھا، اس کائنات میں خدا کا پہلا گھر انسانوں کے لیے، رب اطاعت وبندگی کے لیے تعمیر کیا گیا تھا، اس حساس اور اہم موقع کی نزاکت کو سمجھتے ہوئے اور کریم پروردگار کی الطاف وعنایات کو سامنے رکھ کر آپ نے دعا کی: رَبَّنَا وَابۡعَثۡ فِيۡهِمۡ رَسُوۡلًا مِّنۡهُمۡ يَتۡلُوۡا عَلَيۡهِمۡ اٰيٰتِكَ وَيُعَلِّمُهُمُ الۡكِتٰبَ وَالۡحِكۡمَةَ وَيُزَكِّيۡهِمۡ اِنَّكَ اَنۡتَ الۡعَزِيۡزُ الۡحَكِيۡمُ۔ (البقرة:129) ’’ہمارے پروردگار! ان میں ایک ایسا رسول بھی بھیجنا جو انہی میں سے ہو، جو ان کے سامنے تیری آیتوں کی تلاوت کرے، انہیں کتاب اور حکمت کی تعلیم دے، اور ان کو پاکیزہ بنائے، بیشک تیری اور صرف تیری ذات وہ ہے جس کا اقتدار بھی کامل ہے، جس کی حکمت بھی کامل۔ ‘‘جس نبی کی آپ نے تمنا کی تھی اس سے مراد محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں۔ (تفسیر ابن کثیر:2/92) نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرمایا کرتے تھے کہ: میں اپنے باپ ابراہیم کی دعا کا نتیجہ ہوں۔ (مسند ابوداؤد طیالسی:1224) حضرت ابراہیم نے کائنات کی سب

سے عظیم ترین ہستی کو اپنے خاندان میں مانگ لیا، اور ہمیشہ کے لیے سعادت کو حاصل کرلیا۔

دوسری جگہ اللہ تعالی نے آپ کے بھیجے جانے کو احسان قرار دیتے ہوئے فرمایا: **لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ بَعَثَ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَيُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَاِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ**۔ (آل عمران:164) حقیقت یہ ہے کہ اللہ نے مؤمنوں پر بڑا احسان کیا کہ ان کے درمیان میں سے ایک رسول بھیجا جو ان کے سامنے اللہ تعالی کی آیتوں کی تلاوت کرے، انہیں پاک وصاف بنائے اور انہیں کتاب اور حکمت کی تعلیم دے، جبکہ یہ لوگ اس سے پہلے یقینا کھلی ہوئی گمراہی میں مبتلا تھے۔“

تیسری جگہ اللہ تعالی نے مقاصدِ بعثت کو بیان کرتے ہوئے فرمایا: **هُوَ الَّذِيْ بَعَثَ فِي الْاُمِّيّٖنَ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَيُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَاِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِيْ ضَلٰلٍ مبين**۔ (الجمعة :2) ”وہی ہے جس نے امی لوگوں میں انہی میں سے ایک رسول کو بھیجا جو ان کے سامنے اس کی آیتوں کی تلاوت کریں، اور ان کو پاکیزہ بنائیں، اور انہیں کتاب وحکمت کی تعلیم دیں، جبکہ وہ اس سے پہلے کھلی ہوئی گمراہی میں پڑے ہوئے تھے۔“ حضرت مولانا عبد الماجد دریابادیؒ مقاصدِ بعثت کو مختصر لیکن جامع انداز میں بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں: ذرا سا غور کرنے پر نظر آجائے گا کہ رسول اعظم ﷺ کے جملہ فرایض کمال ایجاز کے ساتھ چند فقروں میں آگئے ہیں۔ ”**يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِكَ**“ رسول کا پہلا کام اپنی امت کے سامنے تلاوتِ آیات ہوتا ہے، یعنی اللہ کا کلام پہنچانا، گویا رسول کی پہلی حیثیت مبلغِ اعظم کی ہوتی ہے۔ ”**يُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ**“ رسول کا کام محض تبلیغ و پیام رسانی پر ختم نہیں ہوجاتا، اس کا کام کتابِ الہی کی تبلیغ کے بعد اس کی تعلیم کا بھی ہے، اس تعلیم کے اندر کتاب کی شرح، ترجمانی، تعمیم میں تخصیص، تخصیص میں تعمیم سب کچھ آگئی، اور یہیں سے ان کج فہموں کی بھی تردید ہوگئی جو رسول کا منصب (معاذ اللہ) صرف ڈاکیہ یا قاصد سمجھتے ہیں، گویا رسول کی دوسری حیثیت معلمِ اعظم کی ہوئی۔ ”**وَالْحِكْمَةَ**“ پھر رسول تعلیم محض کتاب ہی کی نہ دیں گے بلکہ حکمت ودانائی کی تلقین بھی امت کو کریں گے، احکام ومسائل، دین کے قاعدے اور آداب، عوام وخواص سب کو سکھائیں گے اور خواص کی رہنمائی اسرار ورموز میں بھی کریں گے، گویا رسول کی تیسری حیثیت مرشدِ اعظم کی ہوئی۔ ”**يُزَكِّيْهِمْ**“ تزکیہ سے مراد دلوں کی صفائی ہے، رسول کا کام محض الفاظ اور احکامِ ظاہری کی تشریح تک محدود نہیں رہے گا، بلکہ وہ اخلاق کی پاکیزگی اور نیتوں کے اخلاص کے بھی فرائض انجام دیں گے، گویا رسول کی یہ چوتھی حیثیت مصلحِ اعظم کی ہوئی۔ (تفسیر ماجدی: 1/ 251)

پہلا مقصد: تلاوتِ قرآن

رسول اللہ ﷺ نے امت میں تلاوتِ قرآن کی عظمت واہمیت کو عام فرمایا، اور اس کے فوائد وبرکات سے آگاہ کیا، اور انسانوں کے ہاتھ میں خدا کا یہ عظیم کلام سونپا جس کی وجہ سے ان انسانیت قعرِ مذمت سے نکلی اور تلاوتِ قرآن کا ایسا ذوق ان کو عطا کیا کہ اس سے کسی لمحہ صحابہ کرامؓ کو سیری حاصل نہیں ہوتی تھی، اور خود آپ ﷺ جب قرآن کریم کی تلاوت فرماتے کتنے ہی پتھر دل موم ہوجاتے اور کیسے کیسے سخت مزاج انسان نرم پڑ جاتے اور قرآن کی حقانیت وعظمت کا اقرار کئے بغیر نہیں رہتے اور بہت سے لوگ

اسی قرآن کی سماعت سے دائرۂ اسلام میں داخل ہوئے۔ دنیا میں جو کچھ انقلاب نظر آرہا ہے بلاشبہ یہ اس عظیم کتاب کی بدولت ہے جو صاحب کتاب سیدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بطور امانت انسانوں تک پہنچایا اور اس کے تقاضوں کو عملی طور پر پورا کرکے دکھایا۔ قرآن کا نزول عرب کی سرزمین پر ہوا لیکن وہ پوری دنیا کے لیے اور ہمیشہ ہمیشہ کے واسطے معجزۂ نبوی بن کر آیا اور اس کی کرنیں سارے عالم میں پھیل گئیں اور جہاں قرآن کا نور پہنچا وہاں اندھیریوں کا خاتمہ ہوا اور کفر وشرک نے دم توڑ دیا۔ حضرات صحابہ کرامؓ کی زندگیوں میں انقلابی اثرات اسی کلام نے پیدا کئے، اور وہ انسانوں کو رہبر اور رہنما بنیں بھی تو اسی قرآن کی تعلیمات پر عمل کرکے بنیں۔ قرآن نے ہر شعبۂ زندگی میں مثالی انقلاب برپا کیا۔ تلاوتِ قرآن کی اہمیت کو بیان کرتے ہوئے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جو قرآن کریم پڑھنے میں اس قدر مستغرق ہو کہ اس سے دعا مانگنے کا موقع ملے تو اللہ تعالی نے فرمایا کہ مانگنے والوں سے زیادہ ایسے بندے کو عطا کروں گا۔ (ترمذی: 2869) آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ: کوئی قوم اللہ کے گھروں میں سے کسی گھر میں مجتمع ہوکر تلاوت کرتی ہے تو ان پر سکینہ نازل ہوتی ہے اور رحمت ڈھانپ لیتی ہے، ملائکہ رحمت ان کو گھیر لیتے ہیں اور حق تعالی اس کا ذکر ملائکہ کی مجلس میں فرماتے ہیں۔ (مسلم: 4873) حضرت انس سےؓ مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جس گھر میں قرآن کریم کی تلاوت کی جاتی ہے اس مین فرشتے آتے اور شیاطین دور ہوجاتے ہیں، وہ اپنے اہل (صاحب خانہ افراد) کے لیے کشادہ ہوجاتا ہے اور اس میں بھلائی کی بہتات اور شر کی قلت ہوجاتی ہے، اور جس گھر میں قرآن کی تلاوت نہ ہو اس میں شیاطین آجاتے ہیں، فرشتے نکل جاتے ہیں اور وہ گھر اپنے باسیوں پر تنگ ہوجاتا ہے، خیر کم اور شر بہت بڑھ جاتا ہے۔ (فضائل حفظ القرآن: 131)

دوسرا مقصد: تعلیمِ قرآن

قرآن کریم کو الفاظاً پڑھنے اور تلاوت کرنے کے ساتھ اس کے معانی ومطالب انسانوں کو سمجھانا یہ بھی نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عظیم ذمہ داری رہی اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے الفاظِ قرآنی کے ساتھ معانیٔ قرآن بھی بتلائے۔ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مرادِ خداوندی کو سمجھایا اور آیاتِ قرآنی کی تشریح کرکے امت کو اس کے مقصد سے آگاہ کیا کہ اللہ تعالی کیا چاہتا ہے۔ اس لیے صحابہ کرامؓ جہاں الفاظِ قرآنی کے یاد کرنے کا اہتمام کیا کرتے تھے وہیں معانی ومطالب کو بھی سمجھنے میں مصروف رہا کرتے تھے۔ قرآن مجید کو تلاوۃ پڑھنے کے ساتھ اس کے معانی اور مضامین میں تدبر کرنا، اس کے مفہوم میں غور وفکر کرنا، تفاسیر قرآن کی روشنی، نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تشریحات اور صحابہ کرام کے عمل سے قرآن مجید کے مقصود تک رسائی حاصل کرنے کوشش کرنا بھی ضروری ہے، کیوں کہ جب تک مطلوب قرآن کو نہیں سمجھا جائے گا تو یقینی طور پر عمل آوری کا جذبہ بھی نہیں ابھرے گا، اور اللہ تعالی کیا فرمارہا ہے اس سے آگہی بھی حاصل نہیں ہوگی۔ اللہ تعالی نے نہایت چونکا دینے والے انداز میں کیا کہ: افلا یتدبرون القراٰن أم علی قلوب أقفالها۔ (محمد: ۲۴) یہ لوگ قرآن میں غور نہیں کرتے یا ان کے دلوں پر قفل پڑے ہوئے ہیں۔ اس لیے قرآن کریم کو سمجھا اس کا حق ہے۔ قرآن مجید کی تعلیمات کے مطابق عمل کرنا بھی اہلِ ایمان کی ذمہ داری ہے۔ قرآن صرف پڑھ کر یا سمجھ کر رکھ دینے کی کتاب نہیں ہے بلکہ اس کے مطابق زندگیوں کو بنانے اور سنوارنے کی ضرورت ہے۔ قرآن نے حلال وحرام اور جائز وناجائز کے لیے اصول بتائے، اور اس کی تشریح نبی کریم

صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمائی۔ قرآن کریم میں حکم دیتے ہوئے فرمایا گیا کہ :وھذا کتاب أنزلناہ مبارك فاتبعوہ۔ (الانعام :155) یعنی یہ (قرآن) مبارک کتاب جو ہم نے نازل کی اس کی اتباع کرو۔ اور ایک جگہ فرمایا کہ :اتبعوا ماأانزل الیکم من ربکم۔ (الاعراف:3) یعنی جو کچھ تمہارے رب کی جانب سے تمہاری طرف نازل کیا گیا اس کی اتباع کرو۔

تیسرا مقصد: تزکیہ نفس

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا تیسرا مقصد دنیا میں بھیجے جانے کا یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم انسانوں کے دلوں کو پاک صاف کریں، ان کے دلوں میں کفر وشرک کی جو گندگیاں اور اخلاق واعمال کی خرابیاں ہیں ان کو نکال باہر کریں، اور دلوں کو اس قابل بنائیں کہ وہ یادِ الٰہی کا مسکن اور محبتِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا مرکز بن سکے۔ چناں چہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جہاں معاشرہ کی اجتماعی اصلاحی کوششیں کیں وہیں انفرادی طور پر بھی دلوں کی اصلاح کا اہتمام فرمایا۔ خدا کی حضوری کا احساس پیدا کیا، روزِ قیامت کی باز پرس کی فکر پیدا کی، اللہ تعالی کے حاضر وناظر ہونے کا خیال دلوں میں راسخ کروایا۔ یہی نتیجہ تھا کہ معمولی درجہ کا گناہ بھی سرزد ہوجاتا یا تنہائیوں میں کسی جرم کا ارتکاب کر لیتے تو فوری رسالت ماب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حضور حاضر ہوکر اس کی تلافی کروالیتے تا کہ آخرت کے سخت ترین عذاب سے حفاظت ہوجائے۔ انسانی معاشرہ کو آلائشوں اور گندگیوں سے عمومی طور پر بچانا ہو تو فرداً فرداً انسانوں کی اصلاح ضروری ہے، اور یہ ہر انسان کے دل کی اصلاح پر موقوف ہے؛ اسی لیے سب سے پہلے دل کو درست کرنا ضروری ہے کیوں کہ دل ہی تمام جسم کا سردار اور سارے اعضاء میں مرکزی حیثیت رکھتا ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جسمِ انسانی میں ایک گوشت کا لوتھڑا ہے اگر وہ درست ہو تو سارا جسم صحیح ہوگا اور اگر وہ خراب ہوجائے تو جسم سارا فساد میں مبتلا ہوجائے گا، غور سے سنو! وہ دل ہے۔ (بخاری: حدیث نمبر؛51) اس کے لیے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے امت کو اس بات کی تعلیم دی کہ ہمیں سب سے پہلے ہمیں اپنے دل کو برائیوں سے پاک کرنا ضروری ولازم ہے تا کہ اچھی طرح قلب میں محسنات جاگزیں ہوں۔ جو چیزیں انسان کو ہلاک کرنے والی اور دین ودنیا میں نقصان کا باعث ہوتیں ہیں جیسے: حسد، کینہ، کذب، غیبت، بغض، عناد اور طمع وبخل ان تمام سے بہت اہتمام کے ساتھ بچنے کی تعلیم دی۔ دل کی اصلاح یقیناً سارے اعمال میں انقلابی روح پیدا کرنے والی ہے اسی لیے اس کی بڑی اہمیت اور تاکید بھی احادیث وآیات میں آئی ہیں۔

چوتھا مقصد: تعلیمِ حکمت

چوتھا کام آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا امت کو حکمت کی تعلیم دینا ہے۔ حکمت سے مراد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنت ہے۔ (تفسیر ابن کثیر: 3/ 251) آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذاتِ گرامی میں انسانوں کے لیے ہر اعتبار سے اسوہ ونمونہ موجود ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تمام تر تعلیمات انسانیت کے لیے سعادت وکامیابی کی علامت ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جو کچھ فرمایا اس پر عمل پیرا ہونے میں ہی فلاح دارین پوشیدہ ہے۔ اسی لیے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی امت کو سنت کی تعلیمات سے نوازا اور طریقۂ زندگی کے اصول وآداب بتلائے۔ اللہ تعالی نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اتباع ہر اپنی محبت کو موقوف رکھا ہے۔ چناں چہ ارشاد ہے: قُلۡ اِنۡ كُنۡتُمۡ تُحِبُّوۡنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوۡنِىۡ

يُحْبِبْكُمُ اللهُ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوبَكُمْ ۔ (آل عمران: 31) (اے پیغمبر! لوگوں سے) کہہ دو کہ اگر تم اللہ سے محبت رکھتے ہو تو میری اتباع کرو، اللہ تم سے بھی محبت کرے گا اور تمہاری خاطر تمہارے گناہ معاف کردے گا۔ مفسرین نے لکھا ہے کہ: اللہ و رسول ﷺ کی محبت کی علامت یہ ہے کہ دونوں کی اطاعت کی جائے۔ اور لکھا ہے کہ: نبی کریم سے محبت کی علامت آپ ﷺ کی سنتوں سے محبت کرنا ہے۔ (تفسیر قرطبی: 5/ 92) نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے کہ: جو شخص میری سنت سے محبت رکھتا ہے درحقیقت وہی مجھ سے محبت رکھتا ہے، اور جو مجھ سے محبت کرے گا وہ میرے ساتھ جنت میں ہوگا۔ (مشکوۃ: 1/ 383)

(رسول اکرم ﷺ کے مقاصدِ بعثت اور ہماری ذمہ داری، مفتی محمد صادق حسین قاسمی)

اللہ رب العزت توحید اور رسالت کو اچھی طرح سمجھنے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سچی پکی اتباع کی توفیق عطا فرمائے۔

آمین یارب العالمین۔

أقول قولی ھذا واستغفر اللہ لی ولکم ولسائر المسلمین، فاستغفروہ إنہ ھو الغفور الرحیم۔

◆ ◆ ◆

وآخر دعوانا أن الحمد للہ رب العالمین

◆ ◆ ◆

بزم خطباء ٹیلیگرام چینل میں شامل ہونے کے لیے ٹیلیگرام کے تلاش کے خانہ میں لکھیں

@bazmekhateeb

اور شامل ہوجائیں

نوٹ: اس مواد کو تیار کرنے میں مختلف اہل علم کے مضامین سے استفادہ کیا گیا ہے اور اقتباسات نقل کیے گئے ہیں۔